

مولانا ابوالحسن علی سندوی مدظلہ

مغربی تہذیب

افاق تجدد کے علمبردار

- ★ مغربی تہذیب کے عناصر ترکیبی
- ★ آوازِ تجدید یا تقلیدِ فرنگ
- ★ پاکستان ایک اسلامی تجربہ گاہ مگر نازک امتحان

علامہ اقبال کی نظروں میں

شرق کے اہل نظر اور ذہین افراد میں (باوجود اس کے کہ ان میں سے اکثر کو مغرب کی سیر اور مطالعہ کا موقع ملا) کوئی ایسا نہ تھا جس نے مغربی تہذیب و افکار کا اتنی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اس قدر جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کی ہو۔ علامہ اقبال نے اس تہذیب کے عناصر ترکیبی اور اس کے کمزور پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس فساد کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی۔



بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مسلم نوجوانوں نے مغربیات کے مطالعہ و تحقیق کا آغاز کر دیا تھا۔ وہ ہندوستان کی اعلیٰ یونیورسٹیوں اور تعلیم گاہوں میں مغربی علوم و افکار کا گہرا مطالعہ اور تجربہ کر رہے تھے۔ فاتح تہذیب اور اس کے علمبرداروں سے مرعوبیت اب روز بروز کم ہو رہی تھی، ہندوستانی مسلمان اعلیٰ تعلیم کے لئے اب یورپ آنے جانے لگے تھے جن میں سے بعض یورپ کے بڑے بڑے تعلیمی مراکزوں میں طویل عرصہ تک قیام کر کے وہاں کے علمی سرچشمہ سے سیراب ہوتے اور جدید علوم کو ممتاز اور آزاد فکر اساتذہ کی رہنمائی میں حاصل کرتے، وہ مغربی تہذیب سے محض کتابوں کے ذریعہ نہیں بلکہ اس کے بہترین نمائندہ اشخاص کے ذریعہ تعارف حاصل کرنے اور اس کے قلب و جگر میں اتر کر اور اس کی تہ میں پہنچ کر اس سے اس طرح واقف ہونے کی کوشش کرتے جس طرح کوئی تعلیم یافتہ یورپین کر سکتا ہے۔ وہاں کے فلسفوں، نظاموں اور مختلف مکاتب خیال کا جائزہ لیتے اور ان کے مضمرات، حقائق و اسرار تک پہنچنے کی کوشش کرتے، ان کو مغرب کے ذہن و مزاج، اس کے قومی غرور اور احساس برتری اور اس کے عوام کی خود پسندی اور انایت کو قریب سے دیکھنے

کا موقعہ ملا، اس سوسائٹی میں زوال و انحطاط اور ذہنی اغلاس کی ابتدائی علامتیں اور آثار ان پر واضح تھے وہ صالح اور تعمیری اجزاء بھی ان کی نظر میں آئے جو انسانیت کے لئے فلاح بخش ہو سکتے ہیں، اس طرح وہ تخریبی اور انسانیت دشمن اجزاء بھی (جو اس تہذیب کے خمیر میں شروع سے موجود ہیں) ان کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو سکے۔ ان سب مشاہدات نے ان کے دل و دماغ میں ایسے احساسات اور معانی ابھر رکھے جن کا حصول اتنے طویل قیام کے بغیر اور اس کے نظریات و افکار کے تقابلی مطالعہ، جرأت مندانہ اور گہری نظر، تقلید (مغرب) کی بندش سے خلاصی اور اس ایمان کی چنگاری کے بغیر جو ابھی بھی نہ تھی۔ بلکہ راکھ کے ڈھیر میں دب گئی تھی اور کسی وقت بھی بھڑک اٹھنے کی منتظر تھی، ناممکن تھا۔ ان سب چیزوں کے مشاہدہ کے بعد ان میں بہت سے فاضل مغربی تہذیب سے مایوس ہو کر اس کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہوئے بڑی گہرائی اور جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کا ارادہ کرے کر واپس ہوئے، ان کے فکر اور تنقید میں نہ انتہا پسندی تھی نہ واقعات کا انکار، نہ حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرنے کا جذبہ۔

ان انقلابی ناقدین میں سب سے نمایاں نام علامہ محمد اقبال کا ہے۔ جن کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ تعلیم جدید نے اس صدی کے اندر ان سے بہتر نمونہ پیش نہیں کیا، ان کو جدید مشرق کا سب سے زیادہ بالغ نظر مفکر قرار دیا جاسکتا ہے۔ مشرق کے اہل نظر اور ذہین افراد (بادجوہ اس کے کہ ان میں سے اکثر کو مغرب کی سیر اور مطالعہ کا موقعہ ملا) کوئی ایسا نہ تھا جس نے مغربی تہذیب و افکار کی اتنی گہری نظر سے مطالعہ کیا ہو اور اس قدر جرأت کے ساتھ اس پر تنقید کی ہو۔

فسادِ قلب و نظر | محمد اقبال نے اس تہذیب کے عناصر تمکیمی اور اس کے کمزور پہلوؤں کا اچھی طرح مطالعہ کیا اور اس فساد کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کی جو اس کے مادی رجحان، مذاہب اور اخلاقی و روحانی اقدار سے اہل مغرب کی بغاوت کی وجہ سے اس کے خمیر میں شامل ہو گیا ہے۔ انہوں نے قلب و نظر کے اس فساد کو جو اس تہذیب کی خصوصیت ہے روح تہذیب کی آلودگی و ناپاکی پر محمول کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عقیف

ہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے تاپید ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

اس کا نتیجہ دل کی وہ بے فوری اور زندگی کی وہ بے کیفی ہے جو اس تہذیب پر بری طرح مسلط ہے۔

اور اس نے اس کو ایک مشینی مصنوعی رنگ دیکر روحانی قدروں سے اس کا رشتہ منقطع اور خدا کی رحمت سے اس کو دور کر دیا ہے، وہ کہتے ہیں:

یہ عیشِ فراوان یہ حکومت یہ تجارت
دل سینہ بے نور میں محروم تسلی

تاریک ہے افراغِ مشینوں کے دھویں سے
یہ دادمی امین نہیں شایانِ غسلی

مادیت کے پرستار | انہوں نے اس تہذیب کی لادینی بنیاد اور اس کے لادینی خمیر کا بجا ذکر کیا ہے جس کو مذہب و اخلاقیات سے بیر ہے، اہد جو روح ابراہیمی سے متنفر ہو کر مادیت کے معبودانِ باطل کی پرستار اور ایک نئے بت خانہ کی معمار ہے، غنوی پس چہ باید کرد " میں فرماتے ہیں:

لیکن از تہذیبِ لادینی گریز !
ز اں کہ او با اہل حق دارد ستیز

قتلہ | ایں فتنہ پرداز آورد
لات و عزیزی در حرم باز آورد

از فتنش دیدہ دل نا بصیر
روح از بے آبی او تشنہ میر

لذت بے تابانی از دل می برد
بلکہ دل زیں پسکے گل می برد

کہنہ دزدے غارت او بر ملاست

لار می نالہ کہ داغ من کجا ست

شیوہ تہذیبِ فرنگ | اس تہذیب کا شیوہ غارت گری اور آدم درمی ہے اور اس کا مشغلہ اور مقصد تجارت اور سوداگری ہے، دنیا کو امن و سکون اور بے غرض محبت اور خلوص کی دولت اسی وقت نصیب ہو سکتی ہے، جب اس تہذیب، جدید کا نظام تہ دبالا ہو جائے۔ فرماتے ہیں:

شیوہ تہذیبِ نو آدم درمی است
پردہ آدم درمی سوداگری است

ایں بنوک ایں فسکہ چالاک یہود
نور حق از سینہ آدم ر بود

نامہ و بالانہ گمہ دو ایں نظام
دانش و تہذیب و دین سودائے خام

یہ تہذیب اگرچہ (اپنی عمر و تادمخ کے لحاظ) جواں سال و نو عمر ہے مگر اپنی غلطیوں اور بنیادی

کمزوریوں کی وجہ سے عالم نزع میں گرفتار اور مکمل زوال کے لئے تیار ہے، اس تہذیب میں —

"یہودی شاطروں" نے جو اقتدار حاصل کر لیا ہے، اس کے پیش نظر بعید نہیں کہ یہودی ہی اس مقدس ترکہ کے وارث ہوں — وہ کہتے ہیں:

ہے نزع کی حالت میں یہ تہذیب جواں مرگ
شاید ہوں کلیسا کے یہودی ستولی

لیکن بستر مرگ پر طبعی موت مرنے کی بجائے سارے آثار و قرائن اس بات کے شاہد ہیں کہ یہ تہذیب خودکشی کا ارتکاب کرے گی اور خود اپنے خنجر سے اپنا گلا کاٹ کر اپنا کام تمام کرے گی۔
— فرماتے ہیں :

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کریگی

جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپا ثدار ہوگا

دین و اخلاص کے بغیر تسخیر کائنات | اس تہذیب نے دین و اخلاق کی نگرانی اور خوفِ خدا کی رفاقت کے بغیر تسخیر کائنات کا جو نازک سفر شروع کیا تھا، اس کی کامیابیوں نے خود اس تہذیب کے وجود بقا کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، اور اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود اپنی آگ میں جل کر خاک نہ ہو جائے۔
— فرماتے ہیں :

وہ فکہ گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو

اسی کی بے تاب بھلیوں سے خطر میں ہے اُس کا آشیانہ

”سود و سودا اور مکروہن“ کی یہ دنیا جس کا فرنگی معمار ہے اب دم توڑ رہی ہے، اور ایک نئی دنیا جنم لے رہی ہے — وہ کہتے ہیں :

جہاں نور ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیدا ہو رہا ہے

جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

وہ کہتے ہیں کہ یہ تہذیب علم کی صیاد سے روشن اور زندگی کی حرارت سے شعلہ زن ہے وہ طبیعیات و صنعت کے دائرہ میں وقتاً فوقتاً اپنے کمالات کا اظہار بھی کرتی رہتی ہے لیکن دراصل وہ انقلابی ایجاد و اجتہاد کی قربت سے محروم ہو چکی ہے۔ وہاں عقل کا نفع دل کا زیاں ہے۔ اس کے رہنما خود تقلید کے بندے اور لکیر کے فقیر ہو چکے ہیں۔ اس کے مرکز اب نعرہ مستانہ، ادائے قلندرانہ اور جرات پیمیرانہ سے محروم ہو چکے ہیں — کہتے ہیں :

یاد آیا مے کہ بودم در خمستانِ فرنگ

چشمِ مسرت سے فروشش بادہ را پروردگار

جام او روشن تر از آئینہ اسکندر است

بادہ خواران را نگاہ ساقی اش پیچیدار است

جلوہ ادبے کلیم و شعلہ ادبے خلیل عقل ناپید و متاع شش را غارت گراست

ہند ہواش گرمی یک آہ بے تابانہ نیست

زند این میخانہ را یک لغزش مستانہ نیست

روشن چہرہ مگر تاریک دل | ایک موقع پر اس تمدن کے روشن چہرہ لیکن تاریک دل کی تصویر

استخرج کینیچے ہیں :

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے

حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیوان۔ بے یہ ظلمات

گرجوں سے کہیں بڑے کے ہیں فلکوں کی غلات

سود ایک لاکھوں کے لئے مرثیہ مفاہات

پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات

کیا کم ہیں فرنگی مدینیت کے فتوحات

ہاں اس کے کمالات کی ہے برق و جارات

عمرانی تعمیر میں رونق میں صفا میں

ظاہر ہے تجارت ہے حقیقت میں جوا

یہ علم یہ حکمت یہ تدبیر یہ حکومت

بیکاری و عریانی و بے خیر و اخلاص

وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم

مغربی تمدن اس کی بنیادوں اور اس کے

مغربی تمدن اس کی بنیادوں اور اس کے

جوانہوں نے در اس میں دئے تھے اور ہر

کے نام سے شائع ہوئے تھے، قدرتی طور پر زیادہ ٹھوس اور گہرا ہے، اس لئے کہ علم و فلسفہ کی

زبان شعر و ادب کی زبان کے مقابلہ میں علمی خیالات اور حقیقی تہذیب کی زیادہ صلاحیت راسخ

وہ مغرب کی مادی تہذیب کی ساخت اور مزاج اور موجودہ انسان پر (جو اس کا نمائندہ اور علمبردار

ہے، نیز ان مسائل اور مشکلات پر جن سے وہ دوچار رہے تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

”عہد حاضر کے تنقیدی فلسفوں اور علوم طبعیہ میں اختصاص نے انسان کی بحالت

کر رکھی ہے، بڑی ناگفتہ بہ ہے، اس کے فلسفہ فطرت نے تو بیشک اسے یہ

صلاحیت بخشی کہ تو اسے فطرت کی تعمیر کرے، مگر مستقبل میں اس کے ایمان اور

اعتماد کی دولت پھین کر دے

عصر حاضر کی ذہنی سرگرمیوں سے جو نتائج مرتب ہوئے ان کے زیر اثر انسان

کی روح مردہ ہو چکی ہے، یعنی وہ اپنے ضمیر اور باطن سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔

خیالات اور تصورات کی جہت سے دیکھے تو اس کا وجود خود اپنی ذات سے

متصادم ہے۔ سیاسی اعتبار سے نظم و اسٹے تو افراد سے، اس میں اتنی سکت

متصادم ہے۔ سیاسی اعتبار سے نظم و اسٹے تو افراد سے، اس میں اتنی سکت

متصادم ہے۔ سیاسی اعتبار سے نظم و اسٹے تو افراد سے، اس میں اتنی سکت

متصادم ہے۔ سیاسی اعتبار سے نظم و اسٹے تو افراد سے، اس میں اتنی سکت

ہی نہیں کہ اپنی بے رحم انسانیت اور ناقابل تسکین جوہر پر قابو حاصل کر سکے، یہ باتیں ہیں جن کے زیر اثر زندگی کے اعلیٰ مراتب کے لئے اس کی جدوجہد بتدریج ختم ہو رہی ہے، بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ وہ درحقیقت زندگی ہی سے اکتا چکا ہے، اسکی نظر حقائق پر ہے، یعنی جو اس کے اس سرچشمہ پر جو اس کی آنکھوں کے سامنے ہے لہذا اس کا تعلق اپنے احاطہ وجود سے منقطع ہو چکا ہے اور پھر جیسا کہ کھلے (WUXUE) کو بھی خدشہ تھا اور جس کا بہ تأسف وہ اظہار بھی کر چکا ہے، مادیات کے اس باقاعدہ نشرو نمانے اس کے رگ و پے بھی مغرور کر دئے ہیں۔

عصر حاضر کی لادین اشتراکیت کا مطمح نظر بیشک نسبتاً زیادہ وسیع ہے، اور اس کے جوش و سرگرمی کا بھی وہی عالم ہے جو کسی نئے مذہب کا، لیکن اس کی اساس چونکہ ہیگل (HEGEL) کے مخالف نظر متبعین پر ہے۔ لہذا وہ اس چیز ہی سے برسرِ پیکار ہے جو اس کے لئے زندگی اور طاقت کا سرچشمہ بن سکتی تھی۔

دشیا نہ رسہ کشی | علامہ اقبالؒ مغربی سوسائٹی کو ایک ایسی سوسائٹی قرار دیتے ہیں جس کے پیچھے صرف دشیا نہ رسہ کشی کا رفا ہے، وہ اس کو ایک ایسی تہذیب کہتے ہیں جو دینی اقدار اور سیاسی اقدار کی کشاکش کی وجہ سے اپنی روحانی وحدت کھو بیٹھی ہے۔

وہ ایک واقف کار اور مبصر کی حیثیت سے سرمایہ داری اور اشتراکیت دونوں کو شجر مادیت کی دو شاخیں اور ایک ہی خاندان کے دو گھرانے قرار دیتے ہیں جس میں ایک مشرقی ہے اور ایک مغربی، لیکن مادی طرز فکر، زندگی اور انسان کے متعلق محدود نقطہ نظر میں دونوں ایک جان و قالب ہیں۔ ایک فکری اور تخیلاتی سفر میں، جس میں ان کی ملاقات سید جمال الدین افغانی سے ہوئی ہے۔ ان کی زبان سے یہ تبصرہ نقل کرتے ہیں :

ہر دورا جہاں ناصبور و ناشکیب	ہر دوزخداں ناشناس آدم فریب
زندگی این را خروج آں را خسراج	در میان این دو سنگ آدم زجان
این بہ علم و دین و فن آرد شکست	نہں برو جان راز تن ناں راز دست
غرق دیدم طرد دورا در آب و گل	ہر دورا تن روشن و تاریک دل

زندگانی سوختن با ساختن

در گلے تخم دے انداختن

غریبان گم کردہ اندازِ فلاکس را در شکم جویند جان پاک را
 رنگ و بو از تن نگیب و جان پاک بجز بہ تن کار سے ندارد اشتراک
 دین آں پیغمبر حق تا شناس بر مسادست بشکم وارد اساس

تا آخرت را مقام اندر دل است

بیخ او در دل نہ در آب دگل است

مغربی تہذیب اور اسلامی ممالک | محمد اقبالؒ کا خیال تھا کہ مغربی تہذیب جو خود ہاں بلب ہے
 اسلامی ممالک کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتی اور نہ اس میں دوبارہ زندگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔
 کہتے ہیں :

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق اُن کو آنکھ جن کی ہونی محکومی و تقلید سے کور
 زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکہ یہ فرنگی مدینیت کہ جو ہے خود لب گور
 مغرب نے مشرق کو احسان کا جو بدلہ دیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں :

فرنگیوں کو عطا خاکِ سوریا نے کیا بنی عفت و غم خوار می و کم آزاری
 صلہ فرنگ سے آیا ہے سوریا کیلئے سے و قمار و ہجوم زنانِ بازاری

مشرق میں تجدّد کے علمبرداروں پر اُن کی تقلید | وہ اسلامی ممالک میں تحریکِ تجدید (لیکن زیادہ صحیح
 الفاظ میں "مغربیت") کے علمبرداروں سے بدگمان نظر آتے ہیں، اور یہ اندیشہ ظاہر کرتے ہیں کہ تجدید
 کی دعوت کہیں تقلیدِ فرنگ کا بہانہ اور پردہ نہ ہو۔ کہتے ہیں :

لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازہ تجبید مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ
 وہ اس تحریکِ اصلاح و تجدید (مغربیت) کے علمبرداروں کی بے بضاعتی اور تہی مائیگی کا تذکرہ

کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

میں ہوں نوید تیرے سابقانِ سامریٰ فن سے کہ بزمِ خاوداں میں بے کے آئے رنگیں خالی
 تھی بجلی کہاں ان بادلوں کے جیبِ دامن میں پرانی بجلیوں سے بھی ہے بجلی آستیں خالی
 وہ دوسروں کی تہذیب و افکار کی اندھی تقلید کی مذمت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ وہ ہر قوم کیلئے
 عار کی بات ہے نہ کہ اس قوم کے لئے ناقابلِ معافی گناہ ہے جو قوموں کی قیادت اور عالمی انقلاب

۱۔ جاوید نامہ ص ۶۹ ۲۔ ضربِ کلیم ص ۶۸ ۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں ۴۔ ضربِ کلیم ص ۶۸ ۵۔ ایضاً ص ۶۸
 ۶۔ ضربِ کلیم ص ۶۸

کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ کہتے ہیں :

جو عالم ایجاد میں ہے صاحبِ ایجاد
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
لیکن مجھے درستہ کہ یہ آوازہ تجدید
وہ مشرق کی اسلامی اقوام کو ملامت کرتے ہیں جن کا منصب قیادت و رہنمائی کا تھا لیکن
وہ پست درجہ کی شاگردی اور ذلیل قسم کی نقالی کا کردار ادا کر رہی ہے۔ غالباً ترکوں کی طرف
اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں :

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنے دماغ اپنے زمانہ کے ہیں پیرو
جاوید نامہ میں پرنس سعید علیم پاشا کی زبان سے ترکی میں کمانی اصلاح و انقلاب کی سطحیت
اس کے کھوکھلے پن اور اُس کے داعی و زعمیم (کمال اتاترک) کی فکری کہنگی اور یورپ کی بے رور
نقالی کی مذمت کھلے طریقہ پر کی ہے۔

مصطفیٰ کو از تختِ دوحی سرود
گفت نقش کہنہ را باید زد و
نوزگردد کعبہ را رختِ حیات
گمراہ فرنگ آیدش لاث و منات
ترک را آہنگِ نودر پنگ نیست
تازہ اش جز کہنہ آفرنگ نیست
سینہ اورادے دیگر بنود
در ضمیرش عالمے دیگر بنود
لا جرم با عالم موجود ساخت
مثل موسم از سوزِ این عالم گداخت

تہذیب، اسلامی اور اسکی حیات انگیزی پر یقین | وہ اسلامی تہذیب اور اسلامی شریعت
کی لازوال قوت اور ایک نئی دنیا اور نئے معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں ان کے عظیم امکانات پر پورا
یقین رکھتے ہیں، انہوں نے اپنے خطبہ صدارت میں جو ۱۹۳۲ء میں آل مسلم پارٹیز کانفرنس میں دیا
تھا، مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا :

”جس دین کے تم علمبردار ہو وہ فرد کی قدر و قیمت کو تسلیم کرتا ہے۔ اور اس کی اس طرح
تربیت کرتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ خدا اور بندوں میں صرف کر دے، اس دین قیم

کے مضمرات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ یہ دین اب بھی ایک نئی دنیا پیدا کر سکتا ہے جس میں غریب امیروں سے ٹیکس وصول کریں جس میں انسانی سوسائٹی معدوں کی مساوات پر نہیں بلکہ روحوں کی مساوات پر قائم ہو۔

جدید اسلامی تجربہ گاہ | اُن کو پرے سے اخلاص کے ساتھ اس کا یقین اور احساس تھا کہ ایک ایسا خود مختار خطہ مسلمانوں کے لئے بیک وقت ضروری ہے جہاں اسلامی زندگی کا "عمل" اپنے سارے شعبوں اور پہلوؤں کے ساتھ جاری رہ سکے اور شریعت اسلامی اور زندگی کا اسلامی طریقہ اپنی خداداد صلاحیتوں اور جوہر کا آزادی کے ساتھ اظہار کر سکیں اور چونکہ ہندوستان ہی (جیسا کہ انہوں نے سنہ ۱۹۴۷ء میں مسلم لیگ کے اجلاس کے خطبہ صدارت میں کہا تھا) ایک ایسا ملک ہے، جہاں سب سے بڑا اسلامی مجموعہ آباد ہے، اس لئے وہ اس تجربہ کے لئے سب سے زیادہ موزوں جگہ ہے۔ اور یہاں وہ اسلامی مرکز، زیادہ گہرے الفاظ میں وہ لیبارٹری قائم ہو سکتی ہے، جہاں صالح سوانحی کی تشکیل، اجتماعی زندگی کی تنظیم، اقتصادی مسائل کا حل اور تہذیب کی صحیح و پاکیزہ رہنمائی، عقیدہ اور عمل، مادیت اور روحانیت اور فرد و جماعت کی ایک ایسی ہم آہنگی پیدا ہو سکے جو لوگوں کو تعجب و عجز پر مجبور کرے اور اسلامی ممالک کے رہنماؤں کو اس کی تقلید اور دنیا کے مفکرین کو نئے طرز پر سوچنے پر آمادہ کر سکے۔

یہ سیاسی بالغ نظری اور بلند ہمتی جسکی نظیر اس دور میں عالم اسلام میں مشکل سے ملے گی۔ مملکت پاکستان کی بنیاد مئی ۱۹۴۷ء میں یہ خواب پورا ہوا اور پاکستان وجود میں آیا۔ پاکستان کے اولین معماروں نے بھی اس فکری بنیاد کو تسلیم کیا جس پر اس عظیم ترین اسلامی ریاست کی تعمیر ہوئی تھی، اور اس کو اسلامی طریق زندگی کا ایک عمل یا تجربہ گاہ قرار دیا۔

مسٹر محمد علی جناح نے اپنی ایک تقریر میں جو انہوں نے ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو پاکستان کے بری بحری اور فضائی فوج کے افسران اور سول حکام کے سامنے کی تھی، کہا :

"پاکستان کا قیام جس کے لئے ہم دس سال سے کوشاں تھے بفضلہ تعالیٰ اب ایک زندہ حقیقت ہے، لیکن خود اپنی مملکت کا قیام ہمارے مقصد کا صرف ایک ذریعہ تھا۔ اصل مقصد نہیں تھا، منشا یہ تھا کہ ایسی مملکت قائم ہو جس میں ہم آزاد انسانوں کی طرح رہیں، جس کو ہم اپنے مزاج اور ثقافت کے مطابق ترقی دیں اور جس میں اسلامی عدل اجتماعی کے اصول آزادی کے ساتھ برتے جائیں۔"

ایاق علی خاں مرحوم نے ۴۲ جنوری ۱۹۴۷ء کو پشتاور کے ایک اجتماع میں کہا :
 ”پاکستان ہمارے لئے ایک تجربہ گاہ ہے، اور ہم دنیا کو دکھلائیں گے کہ تیرہ سو
 برس پرانے اسلامی اصول کس قدر کارآمد ہیں۔“

ایک دوسرے موقع پر ۱۹۵۷ء میں انہوں نے ایک تقریر میں کہا :
 ”ہم نے پاکستان کا مطالبہ اس بناء پر کیا تھا کہ مسلمان اپنی زندگی اسلامی احکام کے
 قالب میں ڈھالیں، ہم نے ایک ایسے محل کے قیام کا مطالبہ کیا تھا جہاں ایک ایسی
 حکومت بنائی جاسکے جو اسلامی اصولوں پر مبنی ہو، جن سے بہتر اصول دنیا پیدا نہیں کر
 سکی۔“

لیکن یہ تجربہ جو اپنی اہمیت، نزاکت اور اپنے دور رس نتائج کے اعتبار سے تاریخ کا ایک
 اہم ترین اور عہد آفریں (EPOCH-MAKING) واقعہ تھا، ان ہی رہنماؤں کے ہاتھوں کامیاب ہو سکتا
 تھا، جو اسلامی شریعت کی ابدیت اور اسلامی تہذیب کی برتری پر غیر متزلزل ایمان رکھتے ہوں، جن کا
 خلوص اور صداقت، خود غرضی، مفاد پرستی اور مصلحت کو نشی سے پاک اور ہر شبہ سے بالاتر ہو، اُن کا
 ذہن مغربی اقدار و افکار کی غلامی اور ان کی سیرت غیر اسلامی تعلیم و تربیت کے اثرات سے بالکل آزاد
 ہو چکی ہو اور ایمانِ راسخ اور اخلاقی جرات کے ساتھ وہ جدید علوم کے پیدا کردہ وسائل اور قوتوں کو
 اپنے اعلیٰ دینی و اخلاقی مقاصد کے لئے استعمال کرنے کی قدرت اور آزاد و جدید اسلامی معاشرہ کے
 ماحول کے مطابق ان کو ڈھالنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

نازک امتحان | لیکن اس تجربہ کو کامیاب بنانے اور تاریخ کے اس نادر و ذریں موقعہ سے
 فائدہ اٹھانے کے لئے (جو صدیوں کی مدت میں کسی قوم کو مل سکتا ہے اور مخصوص سیاسی و دینی الاتوائی
 حالات کی بنا پر ہندوستان کی ملتِ اسلامیہ کو حاصل ہوا تھا۔) جن وسیع صلاحیتوں اور خصوصیتوں
 کے اشخاص و کارکن تھے، اُن کے انتخاب پر مناسب توجہ نہیں کی گئی اور ان کی تربیت اور تیاری
 کے لئے مناسب اور ضروری وقت نہ مل سکا۔ اور نہ اُس کو ضروری سمجھا گیا، مشرقی اسلامی ممالک
 میں جو مغربی نظامِ تعلیم عرصہ سے رائج تھا اور مغربی تعلیمی مرکز جہاں اُن لوگوں نے تعلیم حاصل کی تھی،
 (جن کی تقدیر میں اس نئی اسلامی ریاست کی تشکیل اور رہنمائی کا نازک کام آیا تھا۔) اس سے بہتر نمونہ

پیش کرنے سے قاصر تھے جو ہمیں پاکستان کی موجودہ شکل میں نظر آتا ہے، وہ اس طرز فکر اور طرز حیات کے سوا دنیا کو کچھ اور نہیں دے سکتے تھے، اور جس طرح درخت کو اُس کے قدرتی پھل پر ملامت نہیں کی جاسکتی، اس نظام تعلیم، اس کے مغربی رہنماؤں اور اس ذہنی ماحول سے شکایت بیجا ہے کہ اُس نے اس نوذاتیہ اسلامی ریاست کے لئے ایسے رہنما اور سربراہ مہیا نہیں کئے جن کو دین کی ابدیت و کالمیت اور اس کی لافانی صلاحیت پر غیر متزلزل یقین ہو اور اسکی توسیع و تبلیغ کے لئے ان کے اندر قرون اولیٰ کا ساجوش پایا جاتا ہو، جو مغرب کے افکار و اقدار کے سامنے سپر ڈالنے کی بجائے اور اپنے ملک کے قانون و نظام کو اُن کے سانچے میں ڈھالنے کی بجائے مغربی تہذیب کے صالح اجزاء اور وسائل و علوم جدیدہ کے آہن کو اپنے یقین کی گرمی سے پگھلا کر اپنی تہذیب کے سانچے میں ڈھالیں اور اپنی ضرورت اور اپنے ڈھب کے سانچے تیار کر لیں۔

انسوس ہے کہ ایجابی اور مثبت طور پر قیام پاکستان کی معتد بہ مدت میں بھی نظام تعلیم کو (جو کسی ملک کو کسی خاص رخ پر لے جانے کے لئے ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتا ہے) اسلامی روح اور اسلامی مقاصد کے لئے از سر نو ترتیب دینے۔ پاکستانی معاشرہ کو اسلامی سانچہ میں ڈھالنے، آئین کو اسلامی بنانے، ذہنی انتشار اور اخلاقی فساد کے معلوم و معروف ناکوں اور حشرچوں کو بند کرنے کے لئے کوئی جرأت مندانہ اقدام نہیں اٹھایا گیا، اور کسی طرح اس کا ثبوت دینے کی مخلصانہ سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی کہ پاکستان ایک نیا اسلامی محل اور تجربہ گاہ ہے۔ جہاں اسلامی طریق زندگی کی افادیت، اسلامی اصول و قوانین کی صلاحیت اور اسلامی تہذیب کی فوقیت کا عملی ثبوت فراہم کیا جائے گا۔ اور دوسرے ابھرتے ہوئے ممالک کے لئے عملی مثال پیش کی جائے گی، اس کے برخلاف عائلی قانون (MUSLIM FAMILY LAWS) ۱۹۶۱ء نے یہ ثابت کر دیا کہ پاکستان کے آئین سانہ اور سربراہ مغربی افکار و اقدار سے نہ صرف پوری طرح متاثر ہیں بلکہ اُن کو آئین سازی کے لئے فیصلہ کن بنیاد سمجھتے ہیں اور شریعت کی کالمیت اور ابدیت پر اُن یقین نہیں۔ بالآخر نومبر ۱۹۶۳ء میں قومی اسمبلی نے اپنے ڈھاکہ کے اجلاس میں اس عائلی قانون کو منظور اور ان تمام ترمیمات کو جو اس بنیاد پر مقضیٰ کہ یہ قانون قرآن و سنت کے نصوص و تصریحات اور اجماع و تعامل کے خلاف ہے، مسترد کر دیا۔ اور لوگوں نے تعجب کے ساتھ پاکستان اور ہندوستان کے اخبارات میں یہ خبر پڑھی :-

”یہاں قومی اسمبلی نے کل بڑی اکثریت سے ”عائلی قانون“ میں ترمیم کی کوشش کی۔“

رو کر دیا، اس کی بعض دفعات میں ترمیم کا بل ایوان کے سامنے آیا تھا۔ مارشل لا کے زمانہ میں نافذ شدہ یہ عائلی قانون مردوں کے ایک سے زیادہ شادی کرنے کے آزادانہ اختیار کو منسوخ کر چکا ہے، ترمیم کے موافقوں نے اس بات کا دعویٰ کیا تھا کہ یہ قانون شریعت اور قرآن شریف کے خلاف ہے، جس میں تعدد ازدواج کی کھلی اجازت دی گئی ہے۔ پاکستان کے روشن خیال طبقہ کا کہنا ہے کہ یہ اجازت دینی اور ہنگامی تھی، اور اس کا مقصد سماج میں تدریجی اصلاح کرنا تھا۔

اسلام کے مخصوص و اجماعی مسائل کے بارہ میں جب پاکستان کا یہ رویہ ہے تو تہذیب و معاشرت، تعلیم و تربیت، سیاست و آئین کے بارہ میں بلند توقعات قائم نہیں کی جاسکتیں، درحقیقت اکثر نئے آزاد یا قائم ہونے والے اسلامی ممالک ترکی کے نقش قدم پر سرگرم سفر یا آمادہ سفر ہیں، اور ان کے سربراہوں میں (ان کی مغربی تعلیم و تربیت کے اثر سے) انا ترک کی تقلید کا کم و بیش شوق پایا جاتا ہے۔

بہر حال پاکستان کا اپنے بنیادی مقاصد سے انحراف اور عصر حاضر کی دوسری نامذہبی (SECULAR) اور تجدد پسند (MODERNIST) حکومتوں کی تقلید تاریخ جدید کا ایک عظیم سانحہ ہو گا اور ان کرداروں افراد کے ساتھ بے وفائی، جنہوں نے اس اسلامی محل اور تجربہ گاہ کے قیام کے لئے شدید ترین تکالیف برداشت کیں اور عظیم قربانی پیش کی، اس سے بڑھ کر اس کا نقصان یہ ہو گا کہ یہ طرز عمل ہمیشہ کے لئے اس امنگ اور آرزو کو سرد کر دے گا، اور اس تجربہ کی کامیابی کے امکان کو اگر ختم نہیں تو نہایت بعید بنا دے گا۔ اور بے لاگ تاریخ اور انسانی تجربہ اس کی اجازت بھی نہیں دے گا کہ پھر اس کا نام لیا جائے پاکستان کی اس نازک اخلاقی ذمہ داری کو پروفیسر اسمتھ (WILFRED CANTWELL SMITH) نے بڑے اچھے انداز سے بیان کیا ہے، وہ اپنی کتاب (ISLAM IN MODERN HISTORY) میں لکھتے ہیں :-

”شاید پاکستانی کسی وقت یہ خیال کریں کہ اسلامی معاشرہ کی تعمیر کا کام ان کے ابتدائی اندازہ سے نہیں زیادہ دشوار طلب ہے۔ لیکن سوچا جائے تو اب ان کیلئے کوئی راہ مفر باقی نہیں، ان کے وعدے اور دعوے اتنے بلند بانگ اور واضح تھے

لے جن کے لئے قرآن مجید میں نص صریح موجود ہے، مثلاً قانون میراث، مرد کے لئے طلاق دینے کی آزادی، تعدد ازدواج وغیرہ۔ لے جن پر ساری امت کا اتفاق ہے۔